ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

اسلامی تناظر میں دعوت الی الخیر کے فکری اسالیب

CONCEPTUAL MOODS OF DAWAT-AL-KHAIR IN ISLAMIC CONTEXT

☆محمد حسنین

ایم فل اسکالر، شعبہ اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

☆☆ندیم احمد

ایم فل اسکالر، شعبہ اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

ABSTRACT

One of the conceptual methods and basic principals of Dawat al-Khair is to present your argument, your thinkings, and your thoughts in different paradymes in the form of debate and dialogue with the help of wise wisdom. No, but it will be in the real soul of arguments and proofs, in which there is such an attitude that the audience and addressees should not adopt an aggressive attitude, but speak their words in a polite manner with ease and gentleness. Before defining and explaining debate and discussion, it is important to understand that Islam has not encouraged debate and debate, rather it happens in unavoidable situations. Not at all, to have the idea that the call of Islam is to be embedded in the minds of the people in every situation and its orders must be obeyed, an Islamic state can do this. The authority is not given at all. Harmony with nature is an essential feature of this style. Should be, any human being who obeys Islamic orders more or less, should say something in the light of nature, virtual soul and the purity of Islam.

***Keywords**: Islamic Preaching, wisdom, arguments, attitude, manners, stubborness.*

اسلام قانونِ فطرت ہے ، اس کا دستور اور قوانین سماوی اور الہامی ہیں، زمانی تغیرات کے ساتھ اس کے قوانین بدلتے نہیں ہیں، زمانی گردشیں اس کے اصولوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں، بلکہ حالات جیسے بھی ہوں ہر شخص اپنے لیے اسلام کے احکامات میں مکمل رہنمائی اور ایک مستحکم راستہ دیکھ سکتا ہے، اسلام ماحول سے مقابلہ کرنے کے طور طریقے اور قاعدہ کلیے سمجھاتا ہے، جس میں بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کسی بھی زندگی کے معاملے میں ایک مؤمن و مسلم کو تنہا نہیں چھوڑتا بلکہ اس کی مناسب اور تسلی بخش رہنمائی کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کفر و نافرمانی کو مٹایا جائے، بھٹکے ہوئوں کو اصل فطرت اور ایمان کی طرف واپس لایا جائے اور ان کے سامنے دین کی شاہراہ کو کھول کر رکھ دیا جائے، اس کی حکمت کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اہل ایمان کے ایمان کی تجدید ہو، ان کے قلوب و اذہان کی صفائی ہو اور انہیں دوبارہ سے اللہ تعالیٰ سے جوڑا جائے تاکہ ان کا ایمان مضبوط ہو اور وہ راہِ ہدایت پر گامزن رہیں اور ایسا کرنے سے رب اور بندوں کے درمیان خلاء کو ختم کیا جا سکے، لیکن شرط یہ ہے کہ صحیح معنوں میں اس اسلوب کو سمجھا جائے اور انتہائی تن دہی اور خلوص کے ساتھ اس فریضہ کو سرانجام دیا جائے۔

اسلامی فکر کیا ہے؟ کیا اس میں انسانوں کے لیے تنگی اور سختی ہے؟ کیا اس میں انسانوں پر ناجائز حدود و قیود لگا دی جاتی ہیں؟ کیا اس فکر کو اپنانے سے انسان کا تشخص ماند پڑ جاتا ہے؟ اس کی آزادانہ سوچ اور آزادانہ فکر صلب کر لی جاتی ہے؟ شاید اس کا جواب نفی میں ہوگا؟اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر آسانی کا معاملہ چاہتے ہیں نہ کہ تنگی کا، جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:{يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ}[1] "اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں"۔رسول اللہ ﷺ کے کئی ایک فرامین ہیں، جس میں آپ ﷺ نے دینِ کے آسان اور سہل ہونے کی یقین دہانی کروائی ہے۔

حضرت ابوہریرہhبیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

" اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ "۔[2]

"بیشک دین (اسلام) آسان ہے"۔

اسی طرح حضرت انس بن مالک hروایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" يَسِّرُوْا وَلاَ تُعَسِّرُوْا وَسَكِّنُوْا وَلاَ تُنَفِّرُوْا"۔[3]

---

[1] البقرہ،۲:۱۸۵

[2] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب الایمان، باب الدین یسرٌ

[3] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب الادب، باب قول النبیﷺ :]یسروا ولا تعسروا[

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

"آسانی پیدا کرو اور مشکل میں نہ ڈالو، تسکین دلائو اور تنفر نہ کرو"۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ایک اور مقام پر فرمایا:

" بُعِثْتُ بِالْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ "۔[1]

"مجھے آسان، سچے دینِ حنیف کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے"۔

ایسے سچے اور آسان دین کی موجودگی میں کوئی اس کا انکار کرے ، اپنی من گھڑت سوچ اور فکر کو دینی افکار اور اس کے دلائل و براہین پر فوقیت دے تو یہ اس کی بدقسمتی ہے۔حضرت ابوہریرہhسے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَا يَسْمَعُ بِی أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِیٌّ، وَلَا نَصْرَانِیٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِی أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ''۔[2]

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس امت کا کوئی بھی آدمی خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی، میرے بارے میں سن لے اور مجھ پر ایمان نہ لائے اور اس تعلیم کو نہ مانے جسے دے کر میں بھیجا گیا ہوں، تو وہ جہنمی ہے"۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام بے بس دین نہیں ہے، ماننے والے کے لیے انعامات اور بشارت کا پیغام جبکہ نہ ماننے کے لیے وعید اور اخروی سزا کا پیغام بھی دیتا ہے۔لہٰذا اسلامی احکامات کو ماننا ہر مومن و مسلم پر ضروری ہے۔

مولانا وحید الدین خان اسلام کے سچا ہونے سے متعلق رقمطراز ہیں:

"ایک دعوت سچے اسلام کی دعوت ہو اور آپ اس کا انکار کریں تو یہ انکار ہمیشہ جنت کی قیمت پر ہوتا ہے، ایسی ایک دعوت کا انکار کرکے آدمی دنیا میں اپنے کو وقتی رسوائی سے بچاتا ہے اور آخرت کی ابدی رسوائی کا خطرہ مول لیتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ بہت مہنگا سودا ہے، اس لیے جب ایک اسلامی دعوت کے مقابلہ میں اپنے رویہ کا فیصلہ کرنا ہو تو آدمی کو بے حد سنجیدہ غوروفکر کے بعد اس کا فیصلہ کرنا چاہیے"۔[3]

مزید لکھتے ہیں:

"اللہ کی نصرت کے تمام وعدے عمل دعوت کی انجام دہی پر موقوف ہیں، اسی میں ملت اسلامیہ کی فوزوفلاح ہے، اسی میں عصمت من الناس کا راز چھپا ہوا ہے، حتی کہ امت محمدی کا امت محمدی ہونا عنداللہ اسی وقت متحقق ہوتا ہے جبکہ وہ دعوت الی اللہ کے اس کام کو انجام دے، اس کام کی صحیح ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں اور دیگر اقوام کے درمیان داعی اور مدعو کا رشتہ قائم کیا جائے، یہ رشتہ قائم کرنے کی ایک بھاری قیمت دینی لازمی ہے، وہ یہ کہ مسلمان مدعو قوموں کی زیادتیوں اور ایذا پر یک طرفہ صبر کریں اس کے بغیر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان داعی اور مدعو کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا، جیسے اللہ رب العزت نے فرمایا: {وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا}"۔[4]

'داعی' مدعو کے اندازِ فکر اور نفسیات کا خیال رکھے:

دعوت الی الخیر کے معاملہ میں داعی کو تمام حساس اور اہم امور کو سامنے رکھنا چاہیے، ایک شخص بھوکا ہے، آپ اسے دعوت دے رہے ہیں کہ نماز وقت پر پڑھو، امر بالمعروف کا خیال رکھو، نہی عن المنکر سے اجتناب کرو، حالانکہ اس وقت تو اس کی ضرورت بھوک ہے، وہ کس قسم کا داعی ہے جو مدعو کی نفسیات اور ضروریات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اپنے بات اس پر انڈیلنے کی کوشش کرے، شاید ایسی دعوت جس میں نفسیات کا خیال نہ رکھا جائے وہ کچھ اثر کرے گی، اس کی مثال اس طرح بھی لی جا سکتی ہے کہ ایک داعی کسی دیہات میں جا کر ایسے مشکل علوم اور مسائل کو بیان کر رہا ہے ، جسے سمجھنے کی صلاحیت مخاطبین میں نہیں ہے، واعظ کو چاہیے تھا کہ سامع کی ذہنی سوچ کو مدنظر رکھتا ، سادہ اور عام فہم انداز میں بات کرتا ، اس کی دعوت کا اثر ہی مختلف ہوتا۔

نبی کریم ﷺ کی گفتگو، برتائو اور ہر چیز میں لوگوں کے منسب، مراتب اور ان کی نفسیات کا پورا احاطہ کرتی تھی، آپ ﷺ کو مردم شناسی میں کمال حاصل تھا، ہر شخص کی خوبیوں اور اس کے کمزور پہلوئوں پر آپ ﷺ کی گہری نظر ہوتی، ہر شخص کے مزاج اور طبیعت کا گہرا مطالعہ کرتے، ہر معاملہ میں ان کے مزاج اور ساخت کا خیال رکھتے، یہی اسلام کی دعوتِ فکر ہے، اور اسی فکری نظام کے تحت دعوتی اسلوب کے میدان میں ترقی حاصل کی جا سکتی ہے۔ایک داعی کی دعوت میں دلسوزی، محبت کے ساتھ ساتھ شریعت کا دو ٹوک فیصلہ سنانے کی بھی اہلیت ہو، وہ لوگوں کی دلجوئی بھی کرے اور بعض اوقات تربیت کرتے ہوئے

---

[1] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب الایمان، باب الدین یسرٌ

[2] مسلم، ''الجامع الصحیح''، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمدﷺ

[3] مولاناوحید الدین خان، "دعوتِ اسلام دعوتی اور تعارفی مضامین"، ص:۱۹

[4] ایضاً، ص:۳۳

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

معمولی سختی بھی کرے، رسولِ اکرم ﷺ کے دعوتی نظام کو سامنے رکھتے ہوئے یہ تمام چیزیں بخوبی سمجھی جا سکتی ہیں، جس سے دعوت الی الخیر میں اسلامی فکر کی تعلیمات کو سمجھا جا سکتا ہے۔

ایک بار ایک شخص خدمتِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر دستِ سوال دراز کرتا ہے تو نہ آپ ﷺ کے تیور بدلتے ہیں نہ نگاہوں میں بے التفاتی کی جھلک نظر آتی ہے، نہ لبوں پر حرفِ شکایت آتا ہے، آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ دستِ سوال دراز کرنے کی عادتوں کو ختم کیا جائے مگر اس کے لیے خشک وعظ و نصیحت نہیں فرماتے بلکہ نہایت حکمت و دانائی کا طریقہ اختیار فرماتے ہیں۔سیدنا انس بن مالک hبیان کرتے ہیں کہ :

''أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَى النَّبِيَّ ﷺ يَسْأَلُهُ، فَقَالَ:أَمَا فِي بَيْتِكَ شَيْئٌ؟ قَالَ:بَلَى، حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهُ وَنَبْسُطُ بَعْضَهُ، وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِيهِ مِنَ الْمَاءِ، قَالَ: ائْتِنِي بِهِمَا، قَالَ:فَأَتَاهُ بِهِمَا، فَأَخَذَهُمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ بِيَدِهِ، وَقَالَ:مَنْ يَشْتَرِي هَذَيْنِ؟ قَالَ رَجُلٌ:أَنَا، آخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ، قَالَ:مَنْ يَزِيدُ عَلَى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ، أَوْ ثَلَاثًا، قَالَ رَجُلٌ:أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَأَعْطَاهُمَا إِيَّاهُ، وَأَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ وَأَعْطَاهُمَا الْأَنْصَارِيَّ، وَقَالَ: اشْتَرِ بِأَحَدِهِمَا طَعَامًا فَانْبِذْهُ إِلَى أَهْلِكَ، وَاشْتَرِ بِالْآخَرِ قَدُومًا فَأْتِنِي بِهِ،، فَأَتَاهُ بِهِ، فَشَدَّ فِيهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ عُودًا بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ لَهُ:اذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ، وَلَا أَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا، فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيعُ، فَجَاءَ وَقَدْ أَصَابَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ، فَاشْتَرَى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا، وَبِبَعْضِهَا طَعَامًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: هَذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَجِيئَ الْمَسْأَلَةُ نُكْتَةً فِي وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ:لِذِي فَقْرٍ مُدْقِعٍ، أَوْ لِذِي غُرْمٍ مُفْظِعٍ، أَوْ لِذِي دَمٍ مُوجِعٍ''۔[1]

''انصار کا ایک شخص نبی کریم ﷺ کے خدمت میں حاضر ہو کر دستِ سوال دراز کرنے لگا آپ ﷺ سائل سے پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ سائل عرض کرتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس صرف ایک کٹورہ اور ایک چادر ہے، آپ ﷺ چادر اور کٹورہ منگاتے ہیں اور اسے دو درہموں میں فروخت کر دیتے ہیں، یہ دونوں درہم سائل کے ہاتھ پر رکھ کر فرماتے ہیں کہ جاؤ ایک درہم سے اپنے گھر والوں کے لیے کھانا خریدو اور ایک درہم سے کلہاڑی خرید کر لائو، آپ ﷺ اپنے مبارک ہاتھ سے کلہاڑی میں دستہ لگاتے ہیں اور اس کو سائل کے حوالہ کرکے فرماتے ہیں کہ جاؤ، اس کلہاڑی سے لکڑیاں کاٹا کرو اور ان کو فروخت کرکے اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کیا کرو۔اب میں پندرہ دن تک تجھے نہ دیکھو (یعنی پندرہ دن لکڑیاں کاٹ کر بیچنے کا کام کرتا رہ، پھر میرے پاس آنا) وہ شخص آپ ﷺ کے پاس سے چلا گیا اور لکڑیاں کاٹ کاٹ کر بیچنے لگا، ایک دن آپ ﷺ کے پاس آیا کہ اس کے پاس دس درہم جمع ہو چکے ہیں، اس پر رسولِ رحمت ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے لیے اس سے بہتر ہے کہ تو قیامت کے دن اس حال میں آئے کہ تیرے چہرے پر مانگنے کی وجہ سے نکتہ (نشان) نظر آرہا ہو، بے شک دستِ سوال دراز کرنا صرف تین آدمیوں کے لیے جائز ہے، ایک وہ جو تنگ دست ہے اور اپنے فقروفاقہ کو ختم کرنا چاہتا ہے ، دوسرا وہ جس کو کوئی چٹی (جرمانہ) پڑ گئی ، تیسرا وہ جو خون کا بدلہ دینا چاہتا ہو''۔

آج دعوتی عمل کو صرف تقاریر، لمبے لمبے وعظ اور تبلیغ کے ساتھ جوڑ دیا گیا، عملی طور پر اپنے آپ کو پیش کرنا، اس عمل کو خیر باد کہہ دیا گیا، جو اسلامی فکری تعلیمات سے یکسر مختلف ہے۔جب تک ایک داعی فکری انداز میں اپنے آپ کو نہیں ڈھالے گا، اس کی فکر مندی مدعو کے ہر پہلو کا احاطہ نہیں کرے گی، لوگ کبھی بھی اس دعوت کو قبول نہیں کریں گے۔نبی اکرم ﷺ ، رسولِ محتشم بڑے تو بڑے بچوں کے ساتھ بھی ایسا محبت اور شفقت والا رویہ فرماتے، کہ آپ ﷺ کے حسنِ اخلاق کا اثر بچوں کی تربیت پر براہِ راست پڑتا۔

سیدنا انسh کو پیار سے ''يَا ذَا الْاذُنَيْنِ''(دو کانوں والے) کہہ کر خطاب کرتے۔[2]

ایک بار سیدنا انسhکے بھائی ابو عمیر کی پالی ہوئی چڑیا مر گئی تو وہ اداس بیٹھے تھے، رسول اللہ ﷺ آئے تو محبت بھرے انداز میں فرمایا:

'' يَا اَبَا عُمَيْر! مَا فَعَلَ النُّغَيْر؟ ''۔[3]

''ابو عمیر! تمہاری چڑیا کو کیا ہو گیا ہے؟''۔

اگر کبھی کوئی ناخوشگوار بات سامنے آتی تب بھی اسے محبت و پیار کے الفاظ میں ڈھال کر اور مسکرا کر بات سے درگزر فرماتے۔

حضرت انسhفرماتے ہیں کہ:

''كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا، فَأَرْسَلَنِي يَوْمًا لِحَاجَةٍ، فَقُلْتُ:وَاللهِ لَا أَذْهَبُ، وَفِي نَفْسِي أَنْ أَذْهَبَ لِمَا أَمَرَنِي بِهِ نَبِيُّ اللهِ ﷺ، فَخَرَجْتُ حَتَّى أَمُرَّ عَلَى صِبْيَانٍ وَهُمْ يَلْعَبُونَ فِي السُّوقِ، فَإِذَا رَسُولُ اللهِ ﷺ قَدْ قَبَضَ بِقَفَايَ مِنْ وَرَائِي، قَالَ: فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ وَهُوَ يَضْحَكُ، فَقَالَ: يَا أُنَيْسُ أَذَهَبْتَ حَيْثُ أَمَرْتُكَ؟ قَالَ قُلْتُ: نَعَمْ، أَنَا أَذْهَبُ، يَا رَسُولَ اللهِ''۔[4]

''رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق کے مالک تھے، ایک روز آپ ﷺ نے مجھے کسی کام سے بھیجا تو میں نے (زبان سے یونہی) کہہ دیا اللہ کی قسم! میں نہیں جاؤں گا لیکن دل میں تھا کہ ضرور جاؤں گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے، پس میں نکل پڑا، میں بچوں کے پاس سے گزرا جو بازار میں

---

[1] ابوداؤد،''السنن''، كتاب الزكاة، باب ما تجوز فيه المسالة
[2] ابوداؤد، ''السنن''، كتاب الادب، باب ما جاء فى المزاح
[3] بخاری، ''الجامع الصحيح''، كتاب الادب، باب الكنية للصبى
[4] مسلم، ''الجامع الصحيح''، كتاب الفضائل، باب جودهﷺ

کھیل رہے تھے (میں وہاں ٹھہر گیا) اچانک رسول اللہ ﷺ نے میری گدی پکڑ لی، میں نے آپ ﷺ کی جانب نظر اٹھائی تو آپ ﷺ مسکرا رہے تھے، آپ ﷺ نے دریافت کیا: اے انس! کیا تو وہاں گیا تھا جہاں جانے کا میں نے تجھے کہا تھا؟ انس h نے عرض کیا: جی اللہ کے رسول! میں ابھی جاتا ہوں"۔

آج اگر کسی کا باپ بچے سے کہے کہ فلاں کام کرو، نہ کرنے پر وہ معاملے سے درگزر کرنے کی بجائے اسے ڈانٹ ڈپٹ کرے اور اس پر بے جا سختی کرے، تو کیا خیال ہے بچے کے ذہن و عقل پر اس بات کا مثبت اثر پڑے گا، یقینا ہمارا ایک ایک عمل ہماری طرف سے دعوت ہے، ہمارے رویے ہی ردِ عمل کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔

آپ ﷺ کا سلوک لوگوں کے ساتھ کس قدر محبت آمیز ہوتا تھا اس کا اندازہ سیدنا انسh کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''خَدَمْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا قَالَ لِي: أُفٍّ، وَلاَ: لِمَ صَنَعْتَ؟ وَلاَ: أَلَّا صَنَعْتَ"۔[1]

"میں دس برس تک رسول رحمت ﷺ کی خدمت میں رہا مگر آپ نے کبھی "اُف" تک نہ کیا، جو کام میں نے جس طرح بھی کر دیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ کیوں کیا؟ اور اگر کوئی کام نہ کر سکا تو یہ نہیں فرمایا: یہ کیوں نہیں کیا؟"۔

مفتی کو اتنا فہیم ہونا چاہیے جس سے وہ سائل کا تسلی بخش جواب دے سکے ، اور جواب بھی ایسا جو اس کی نفسیات اور عملی پہلوئوں کو مدنظر رکھ کر دیا جائے۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں کہ:

''عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ أَيُّ العَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيْمَانٌ بِاللَّهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ"۔[2]

"حضرت ابوذرh سے روایت ہے ، نبی اکرم ﷺ سے ایک شخص پوچھتا ہے کہ سب سے افضل عمل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ ایمان لانا اور جہاد فی سبیل اللہ کرنا"۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودh بیان کرتے ہیں کہ :

''سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ قُلْتُ:يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ العَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ:الصَّلاَةُ عَلَى مِيقَاتِهَا "۔[3]

ایک آدمی آیا اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھنے لگا ، اے اللہ کے رسول ﷺ سب سے افضل عمل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا سب سے افضل عمل ہے"۔

ایک اور شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی بندے کو بہترین چیز کیا عطا کی گئی ہے؟

''خُلُقٌ حَسَنٌ"۔[4]

"فرمایا اچھا اخلاق"۔

علامہ سراج الدین ندوی رسول اللہ ﷺ کے مختلف سائلین کو مختلف جوابات سے متعلق لکھتے ہیں:

"آپ ﷺ کے ان اقوال میں تضاد محسوس وہتا ہے، مگر حقیقت میں یہ جوابات مخاطب کے ذہن اور نفسیات کو سامنے رکھ کر دیے گئے ہیں، ایک شخص جو کہ نماز روزہ کی بڑی پابندی کرتا ہے ، نوافل کا بھی اہتمام کرتا ہے ، مگر جہاد سے اس کی طبیعت انکار کرتی ہے، جب وہ افضل عمل کے بارے میں سوال کرتا ہے تو آپ ﷺ اسے جہاد پر آمادہ کرنے کے لیے جہاد کو افضل عمل قرار دیتے ہیں، ایک دوسرا شخص آتا ہے جو بہت سی نیکیاں کرتا ہے مگر نماز سے جی چراتا ہے، آپ ﷺ اس سے اچھی طرح واقف ہیں اس لیے اس کے لیے نماز کو سب سے بہتر عمل قرار دیتے ہیں"۔[5]

دعوت زبان سے ہو، اپنے عمل سے ہو، کردار کی شائستگی سے ہو، ہر ایک کی ضرورت اپنی اپنی جگہ مقدم ہے، لیکن اس عمل سے پہلو تہی کرنا کسی بھی طور پر امتِ مسلمہ کے لیے مناسب اور جائز نہیں ہے، بلکہ دعوت روک دینے کے سلسلے میں فتنوں کا ایسا بھیانک سلسلہ رونما ہوتا ہے، جس کے عروج پر پہنچ جانے کے بعد اس کی پیش بندی کرنا ممکن نہیں رہتا، اس لیے کہ دعوتی عمل سُست یا سرے سے ختم ہونے کی صورت میں امت بے راہ روی کا شکار ہو جاتی ہے، جس سے نئی آنے والی نسلوں کا مستقبل مخدوش ہو جاتا ہے۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

---

[1] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء
[2] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب العتق، باب ای الرقاب افضل؟
[3] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب الجہاد، باب فضل الجہاد والسیر
[4] ابن ماجہ، ''السنن''، کتاب الطب، باب ما انز اللہ داء الا انزل لہ شفاء
[5] ندوی، سراج الدین، علامہ "رسول اللہ ﷺ کا طریقِ تربیت"، دارالابلاغ لاہور، ص:۴۷

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

"دراصل کوئی مذہب اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا، ان خصوصیات کو زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رکھ سکتا، اور بدلتی ہوئی زندگی پر اثر نہیں ڈال سکتا، جب تک وقتاً فوقتاً اس میں ایسے اشخاص نہ پیدا ہوتے رہیں، اپنے غیر معمولی یقین، روحانیت، بے غرضی و ایثار اور اپنی اعلیٰ دماغی اور قلبی صلاحیتوں سے اس کے تن مردہ میں زندگی کی نئی روح پھونک دیں، اور اس کے ماننے والوں میں نیا اعتماد اور جوش او رقوتِ عمل پیدا کر دیں، زندگی کے تقاضے ہر وقت جواں ہیں، مادیت کا درخت سدابہار ہے، نفس پرستی کی تحریک اور اس کے مذہب کو حقیقتاً کسی تجدید کی ضرورت نہیں کہ اس کی ترغیبات اور اس کے محرکات قدم قدم پر موجود ہیں ، پھر بھی اس کی تاریخ اس کے پُرجوش داعیوں اور کامیاب مجددوں سے کبھی خالی نہیں رہی جنہوں نے اس کی جوانی کو قائم اور اس کی دعوت کو اس وقت تک زندہ رکھا ہے، اس کا مقابل جب ایک نئی زندگی اور نئی طاقت کے ساتھ میدان میں نہیں آئے گا، اور وقتاً فوقتاً اس کی تجدید نہیں ہوتی رہے گی، تازہ دم مادیت کے مقابلہ میں اس کا زندہ رہنا مشکل ہے"۔[1]

اسلام کو مسلمانوں کی میراث سمجھتے ہوئے مولانا ابو الحسن ندوی لکھتے ہیں:

"یہ میراث جو ہمارے ہاتھ میں پہنچی (اور جس کو ہم میراث) کے معنی میں نہیں بول رہے ہیں جو اہلِ مغرب کا مفہوم ہے، اس لیے کہ اسلام ایک زندہ جاوید دین ہے، ہم میراث سے وہ دولت اور ثروت مراد لیتے ہیں، جو ہمارے اسلاف سے ہماری طرف منتقل ہوئی ہے ، علم راسخ، محفوظ و مضبوط عقائد طاقتور ایمان، سنت سنیہ، اخلاقِ عالیہ، فقہ و شریعت اور شاندار اسلامی ادب کی ثروت، اس میراث میں ہر اس فرد کا پورا حصہ ہے جس نے اسلام کے کسی دور میں بھی منہاج خلافت پر حکومت قائم کی، جاہلیت اور مادیت کا مقابلہ کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، اسلام کے خصائص مٹ گئے تھے، ان کو اُجاگر کیا، امت میں ایمانی روح پیدا کی، اس لازوال ثروت میں ہر اس شخص کا اضافہ تسلیم کیا جائے گا، جس نے اس دین پر اس کے مآخذ اور اس کی تعبیرات پر اعتماد کو ازسرِ نو استوار کیا، نووارد فلسفوں کا ابطال کیا، اسلام کی حقیقی فکر کی حفاظت کی، اور اس امت کو کسی نئے فتنہ میں پڑنے سے باز رکھا، جس نے اس امت کے لیے اس کے دین اور مصادر دین کی حفاظت کی، حدیث و فقہ کی تدوین جدید کا کام انجام دیا، اجتہاد کا دروازہ کھولا، اور امت کو تشریح کا خزانۂ عامرہ اور زندگی و معاشرہ کا منظم قانون عطا کیا، جس نے معاشرہ میں احتساب کا فرض ادا کیا، اور اس کے انحراف اور کج روی پر کھل کر تنقید کی، اور صحیح و حقیقی اسلام کی برملاوآشکارا دعوت دی، جس نے شکوک و شبہات کے دور اور اضطراب عقائد کے زمانہ میں علمی طرزِ استدلال اختیار کرکے دماغوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی، جس نے دعوت و تذکیر اور اندازہ و تبشیر میں انبیاءؑ کی نیابت کی اورایمان کی دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلہ جوالہ کی حرارت و حرکت بخشی جس نے مادہ پرستی کے تُند و تیز دھارے کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی تیزی وبلا خیزی کم کی ، اور خدا کی مخلوق کو اس دھارے میں یہ جانے یا اس میں دب جانے سے محفوظ رکھا ، جس نے اس امت کی سیاسی قوت کی حفاظت کی اور اس کو پے درپے خارجی حملوں کو سہار لینے کی قوت عطا کی جس نے اپنی حکیمانہ دعوت اور اپنے دام محبت سے اس دشمن کو شکار کیا، جو زورِ شمشیر اور نوکِ خنجر سے بھی زیر نہ ہو سکا تھا، اور جس نے عالم اسلام کو اس سرے سے اس سرے تک زیروزبر کرکے رکھ دیا تھا، جس نے اپنے طاقتور ایمان اور اپنی روحانی قوت سے ایسے دشمنوں کو خطیرۂ اسلام میں داخل کیا، اور محمد عربی علیہ الصلوۃ والسلام کی غلامی کا شرف بخشا ، جس نے اپنے طاقتور ادب اور دل گداز و بلیغ اشعار سے ان ذہنوں کو اسیر دام کیا جو علمی مباحث اور مذہبی فلسفوں سے مطمئن ہونے والے نہیں تھے"۔[2]

دعوت کیلئے اشاروں،مثالوں اور اشکال سے مدد لینا:

کسی چیز کو متعارف کروانے کے لیے اصطلاح وضع کی جاتی ہے ، پھر اس اصطلاح کو سادہ اور عام فہم انداز میں بیان کرنے کے لیے مثال بیان کی جاتی ہے، تاکہ مخاطب کے ذہن میں بات اچھی طرح داخل ہو جائے،ریاضی کی مشق کے ساتھ ہی سوالات کی ایک ایک ، دو دو مثالیں اس لیے دی ہوتی ہیں، تاکہ طالب علم مثالوں کے ذریعے سوال کی ہیئت اور ترکیب کو سمجھ سکے،اور اس کے لیے سوال کو حل کرنا آسان ہو جائے، دینِ اسلام کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو سادہ اور عام فہم انداز میں بات سمجھانے کیلئے امثال کو بیان کیا، یہ امثال قرآن مجید میں سورۂ بقرہ[3] جس میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مچھر یا اس سے بھی ہلکی چیز کی مثال بیان کرنے سے نہیں شرماتے۔

اشاروں سے مسائل کی وضاحت:

---

[1] ندوی، علی حسنی، ابوالحسن، مولاناسید، "تاریخ دعوت وعزیمت"، مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام لکھنؤ، ج:۱، ص:۲۷

[2] ابوالحسن ندوی، "تاریخ دعوت وعزیمت"، مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام"، ج:۱، ص:۲۹

[3] البقرہ، ۲:۲۶

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

نبی اکرم ﷺ جو محسنِ انسانیت ہیں، معلم انسانیت ہے، اگر ان کے بحیثیت معلم پہلو کو اجاگر کریں تو بے شمار انداز سامنے آتے ہیں، جس میں نبی کریم ﷺ نے دعوت دیتے ہوئے مختلف مثالوں کا سہارا لیا، تاکہ مخاطب کے ذہن میں مسئلہ اچھی طرح جاگزیں ہو جائے، حضرت عبید بن فیروز سے روایت ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ :

" قَالَ:سَأَلْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ مَا لَا يَجُوزُ فِي الْأَضَاحِيِّ فَقَالَ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللهِﷺ وَأُصَابِعِي أَقْصَرُ مِنْ أَصَابِعِهِ، وَأَنَامِلِي أَقْصَرُ مِنْ أَنَامِلِهِ فَقَالَ: أَرْبَعٌ لَا تَجُوزُ فِي الْأَضَاحِيِّ : فَقَالَ: الْعَوْرَاءُ بَيِّنٌ عَوَرُهَا، وَالْمَرِيضَةُ بَيِّنٌ مَرَضُهَا، وَالْعَرْجَاءُ بَيِّنٌ ظَلْعُهَا، وَالْكَسِيرُ الَّتِي لَا تَنْقَى"۔[1]

"میں نے البراء بن عازبiسے عرض کیا: مجھے قربانی کے ان جانوروں کے متعلق بتایئے، جن کی قربانی کو رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا، یا ان سے منع فرمایا ہو، انہوں نے بیان کیا: بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح اپنے ہاتھ سے فرمایا، اور میرا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے کوتاہ ہے، چار قسم کے جانور قربانی میں جائز نہیں: یک چشم جس کا ایک آنکھ ہونا واضح ہو، بیمار جس کی بیماری واضح ہو، لنگڑا جس کا لنگڑا پن واضح ہو اور ایسا بوڑھا کہ اس کی ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو"۔

مذکورہ بالا حدیث شریف کے متعلق پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی لکھتے ہیں:

"اس حدیث شریف میں آنحضرت ﷺ نے ان چار اقسام کے جانوروں کی تفصیل بتلائی جن کی قربانی جائز نہیں، آپ ﷺ نے]چار [کا لفظ بولتے وقت اپنی چار مبارک انگلیوں کے ساتھ اشارہ بھی فرمایا، اور بلاشبہ صرف گفتگو کے ساتھ سمجھائے ہوئے درس کے مقابلے میں گفتگو کے ساتھ ساتھ اشاروں سے سمجھایا ہوا سبق زیادہ موثر اور دل نشین ہوتا ہے"۔[2]

دوسری مثال:

حضرت ابو موسیٰh سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''المُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ، يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ''۔[3]

"رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی مانند ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے، پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو قینچی کی طرح کیا"۔

تیسری مثال:

حضرت سہل hسے روایت ہے انہوں نے بیان کیا:

''قَالَ رَسُوْلُ اللهِﷺ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ، وَيُشِيْرُ بِإِصْبَعَيْهِ فَيَمُدُّهُمَا''۔[4]

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اور قیامت کو ان دونوں کی طرح بھیجا گیا ہے، آپ ﷺ اپنی دونوں انگلیوں کے ساتھ اشارہ فرماتے، پھر ان دونوں کو پھیلا دیتے"۔

گویا دورانِ دعوت مناسب اشارات کے ذریعے داعی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان کا استعمال کرسکتا ہے، تاکہ مدعو کے قلب و ذہن میں بات کی وضاحت اچھی طرح بیٹھ جائے۔

لکیروں (خطوط) کے ذریعے مدعو کو سمجھانا:

امام احمدmنے حضرت عبداللہ بن مسعودhسے روایت نقل کی ہے ، انہوں نے بیان کیا:

''خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ خَطًّا ، ثُمَّ قَالَ: هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ ، ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ قَالَ: هَذِهِ سُبُلٌ ـ قَالَ يَزِيدُ: مُتَفَرِّقَةٌ ـ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ ، ثُمَّ قَرَأَ:{وَ إِنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ، فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ}[5]

---

[1] ابو دائود، ''السنن''، کتاب الضحایا، باب ما یکرہ من الضحایا

[2] فضل الٰہی، پروفیسر ڈاکٹر، "نبی کریم ﷺ بحیثیتِ معلّم" دارالنور اسلام آباد، ص:۱۷۶

[3] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب الادب، باب تعاون المؤمنین بعضھم بعضاً

[4] بخاری، ''الجامع الصحیح''، کتاب الرقاق، باب قول النبیﷺ:''بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ''

[5] الشیبانی، احمد بن محمد بن حنبل، ابو عبداللہ، امام،''المسند'' کتاب مسند المکثرین میں الصحابۃ، باب مسند عبداللہ بن مسعودh، الرقم:۴۱۴۲

”رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے ایک خط کھینچا، پھر فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کی راہ ہے، پھر آپ ﷺ نے اس کی دائیں جانب اور اس کی بائیں جانب خطوط کھینچے، پھر فرمایا، یہ راہیں ہیں، یزید نے بیان کیا: جدا جدا، ان میں سے ہر راہ پر شیطان بلا رہا ہے، آپ ﷺ نے قرآن شریف کی تلاوت فرمائی : ”اور بلاشبہ یہ میری راہ ہے سیدھی، سو تم اس پر چلو اور دوسروں کی راہوں پر مت چلو، وہ تمہیں اس (اللہ تعالیٰ) کی راہ سے جدا کر دیں گے“۔

دوسری مثال:

امام بخاریmنے حضرت عبداللہ hسے روایت نقل کی ہے، انہوں نے بیان کیا:

”خَطَّ النَّبِيُّ ﷺ خَطًّا مُرَبَّعًا، وَخَطَّ خَطًّا فِي الوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ، وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلَى هَذَا الَّذِي فِي الوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِي فِي الوَسَطِ، وَقَالَ: هَذَا الإِنْسَانُ، وَهَذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ ـأَوْ: قَدْ أَحَاطَ بِهِ ـ وَهَذَا الَّذِي هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ، وَهَذِهِ الخُطَطُ الصِّغَارُ الأَعْرَاضُ، فَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا، وَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا“۔[1]

”نبی اکرم ﷺ نے ایک مربع شکل بنائی اور اس کے درمیان ایک خط کھینچا جو اس سے نکلا ہوا تھا اور (اس کے بعد) اس (مربع شکل) کے درمیانی خط کی طرف چھوٹے چھوٹے خطوط کھینچے اور فرمایا: یہ انسان ہے، اور یہ اس کی موت اس کو گھیرے ہوئے ہے، یا بلاشک و شبہ اس کا احاطہ کر چکی ہے، اور یہ باہر نکلا ہوا (خط) اس کی آرزو ہے، اور یہ چھوٹے چھوٹے خطوط مصائب ہیں، پس اگر وہ ایک سے بچ نکلتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں گرفتار ہو جاتا ہے“۔

داعی کا مثالوں کے ذریعے دعوت دینا:

امام بخاریmنے حضرت ابو موسیٰhسے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لاَ يَذْكُرُ رَبَّهُ، مَثَلُ الحَيِّ وَالمَيِّتِ“۔[2]

” اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور ذکر نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ جیسی ہے“۔

دوسری مثال:

حضرت عمر بن خطابhبیان کرتے ہیں کہ:

”قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ سَبْيٌ، فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ السَّبْيِ قَدْ تَحْلُبُ ثَدْيَهَا تَسْقِي، إِذَا وَجَدَتْ صَبِيًّا فِي السَّبْيِ أَخَذَتْهُ، فَأَلْصَقَتْهُ بِبَطْنِهَا وَأَرْضَعَتْهُ، فَقَالَ لَنَا النَّبِيُّ ﷺ: أَتُرَوْنَ هَذِهِ طَارِحَةً وَلَدَهَا فِي النَّارِ قُلْنَا: لاَ، وَهِيَ تَقْدِرُ عَلَى أَنْ لاَ تَطْرَحَهُ، فَقَالَ: لَلَّهُ أَرْحَمُ بِعِبَادِهِ مِنْ هَذِهِ بِوَلَدِهَا“۔[3]

”ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے، قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی جس کی چھاتی سے دودھ ٹپک رہا تھا، اسے قیدیوں میں ایک بچہ نظر آیا، اس نے شدت جذبات اور فرطِ محبت میں اس بچہ کو گود میں اٹھا لیا، اسے اپنے پیٹ سے چمٹا لیا اور اپنا دودھ پلایا، آپ ﷺ نے صحابہ کرام jکو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا: اگر اس عورت کو اختیار دے دیا جائے تو کیا یہ اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے؟ صحابہ کرام jنے عرض کیا: اللہ کی قسم! یہ عورت ایسا نہیں کر سکتی، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ عورت اپنے بچے پر جتنی مہربان ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے کہیں زیادہ مہربان ہے“۔

مثال دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام jکے تاثرات کو دیکھا، اور اس منظر کی دلچسپی صحابہ میں دیکھی ، رسول اللہ ﷺ نے محسوس کیا کہ عورت کے جذبہ محبت سے صحابہ jبہت متاثر ہیں، آپ نے اس تاثراتی کیفیت سے فائدہ اٹھااپنے صحابہjکو مثال کے ذریعے ماں کی ممتا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بارے میں درس دیا، جس سے کوئی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔

خلاصۂ کلام:

آج ہم جس دین پر عمل پیرا ہیں، یہ دعوت کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے، رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ دین، جسے آپ ﷺ نے پوری امانت داری کے ساتھ اپنی اتباع کرنے والی جماعت یعنی صحابہ کرام jتک پہنچا دیا، پھر ان کے بعد تابعین اور اتبع تابعین سے ہوتا ہوا، ائمہ و محدثین کے ذریعے ہم تک پہنچا، یہ سارا نظام دعوتی بنیادوں پر کھڑا ہے، اگر دعوت کا جذبہ نہ ہوتا تو دین اسلام نہ اقوال کی صورت میں ہم تک پہنچتا اور نہ ہی تحریروں کی صورت میں۔اللہ تعالیٰ کا امت محمدیہ سے اس بات کا تقاضا ہے کہ وہ اس دین کی ترویج و اشاعت کے لیے ، بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ راست پر لانے کے لیے ، ضلالت اور گمراہی کا قلع قمع کرنے کے لیے، اپنا مثبت کردار جو دعوت الی الخیر کے ذریعے عمل میں آتا ہے، اس کا التزام و اہتمام کریں۔ہر شخص انفرادی سطح سے لیکر اجتماعی نظام سے ہوتا ہوا، ملک و

[1] بخاری، ”الجامع الصحیح“، کتاب الرقاق، باب فی الأمل وطولہ
[2] بخاری، ”الجامع الصحیح“، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ عزوجل
[3] بخاری، ”الجامع الصحیح“، کتاب الادب، باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ

ملل اور سلطنت و ریاست تک اس نظام کو وسیع تر کرے، جس سے نہ صرف مسلمانوں کا اپنا بھلا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ دین اسلام کی سچی عظمت دوسروں کے دلوں میں جاگزیں کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

یہ اس آسان اور سچے دین کی دعوت ہے، جس میں دعوت کے، داعی کے، سامع کے، خطیب کے اور مخاطب کے، مبلغ اور واعظ کے تمام اصول بیان کر دیئے گئے ہیں، اسلام کی دعوت محدود نہیں ہے، بلکہ اسلام ایسے مبلغین کی تربیت کرتا ہے جو دعوت الی الخیر پر مامور ہیں، کس طرح مخاطب کی عزت نفس کا خیال رکھنا ہے، کس طرح اس کی نفسیات کا لحاظ رکھنا ہے، کس طرح اس کے جذبات و احساسات کی قدر کرنی ہے، تاکہ مدعو جہاں داعی کی طرف سے عزت و توقیر پائے ، وہاں وہ یہ سوچنے پر بھی مجبور ہو کہ داعی اپنا پیغام نہیں بلکہ خدائے بزرگ و برتر کا پیغام میرے سامنے پیش کررہا ہے، اخلاص، تہذیب، شائستگی، معیانہ روی ایسے محرکات ہیں جو مدعو کو دعوت الی اللہ ماننے پر مجبور کر ہی لیتے ہیں، ان اوصاف کی موجودگی میں مدعونہ تو اکتاہٹ کا شکار ہوتا ہے اور نہ ہی متنفر ہوتا ہے، کیونکہ جو انسان اپنے آپ کو فطرت سے جڑے رہنے پر آمادگی اور خوشی کا اظہار کرتا ہے اس کے لیے تو کوئی فکری پابندی نہیں ہے؟ لیکن جو فطرت سے دور بھاگنا چاہے، خدائی نظام کے سامنے زمینی نظام کو وضع کرنے کی ناکام کوشش کرے تو شاید اسے اسلامی فکر میں حدود و قیود کا خدشہ لاحق ہو، جو بالکل جائز اور فطرت کے عین مطابق ہیں ، کیونکہ ضروری نہیں جس چیز کو کراہت کی نظر سے دیکھا جا رہا ہے، اس میں کراہت ہی ہو، بلکہ اس میں خیر بھی ہو سکتی ہے، اسی طرح جس چیز کو انسان اپنے لیے باعثِ فائدہ سمجھ رہا ہے، ممکن ہے کہ اللہ کے ہاں اس چیز میں کوئی فائدہ نہ ہو، یہ انسان کی اپنی فکر اور سمجھ کا دھوکا ہو، لہٰذا انسان کو یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیے، کہ اللہ کی محرمات اور ممنوعات سے باز رہنے میں ہی اس کے لیے خیر ہے، اور اللہ کی معروفات کو اپنالینے میں ہی اس کے لیے خیر اور بھلائی ہے۔ اللہ ہمیں دین اسلام کو سمجھ کر اس پر اخلاص کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔